قسط نمبر 1

اسلام کا نظام خلافت و امارت

حافظ عطاء الرحمٰن صاحب
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

خالق ارض و سما نے تخلیق آدم علیہ السلام کا مقصد وحید اپنی عبادت گردانا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (۱)

مگر اس عبادت و بندگی کے ساتھ نسل انسانی کے آپس میں میل جول اور انتظام وانصرام کیلئے ایک فیصلہ کن طریق حکومت کا انتخاب بھی کیا۔ صرف انتخاب ہی نہیں کیا بلکہ اس طریق انتخاب کی نسبت سے اس کو خلیفہ قرار دیا۔

واذ قال ربک للملئکة انی جاعل فی الارض خلیفة (۲)

خلیفہ سے مراد نائب لیا جاتا ہے۔ اور اس سے مراد جنس آدم بھی ہو سکتی ہے۔ اور انسان کے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ (نائب) ہونے کا معنی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ احکام اس کی مرضی کے مطابق چلائے۔ (۳)

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے جس نظم ونسق کا انتخاب کیا تھا اس کو خلافت کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں اور بھی متعدد مقامات پر خلافت کے متعلق آیات ملتی ہیں جن سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ اسلامی نظام حکومت نظام خلافت ہی ہے۔

(۱) واذکروا اذ جعلکم خلفآء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطة (٤)

اور تم اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب قوم نوح کے بعد تمہیں ان کا جانشین کیا اور بدن کا پھیلاؤ بھی تم کو زیادہ دیا۔

(۲) واذکروا اذ جعلکم خلفآء من بعد عاد (٥)

اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب اس نے تم کو عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا۔

(۳) وعداللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (٦)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے اللہ رحمٰن ورحیم نے ان سے وعدہ کیا ہے (کہ ایک نہ ایک دن) ان کو ضرور ملک میں حکومت دے گا۔ جیسے اس نے اگلے لوگوں کو ان سے پہلے حکومت دی تھی۔

تو آیت مذکورہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ اسلام کا نظام حکومت صرف نظام خلافت ہی ہے۔ نظام خلافت کے سوا جتنے بھی نظام ہائے حکومت اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ وہ نظام ہائے طاغوت ہیں۔ جس طرح شیطان نے انسان کو ورغلا کر توحید سے دور کیا اور اس کو شرک کی پستی میں اتارا بعینہ اسی طرح طاغوت نے اس نظام اسلام سے نسل آدم کو برگشتہ کر کے اس کو مختلف قسم کے نظام ہائے حکومت کی راہ سجھائی۔ جس کی بنا پر انسان انسان کا غلام بنا۔ دنیا میں قتل وغارت ہوئی۔ امن وسکون کی جگہ وحشت وبربریت کا ایسا سیل رواں آیا کہ آفرینش آدم سے قبل جنات کی جنگیں شاید مات ہوں۔

آج نسل انسانی اپنے آپ کو ترقی یافتہ، مہذب اور شائستہ سمجھ رہی ہے۔ مگر آئے دن کے اخبار، ریڈیو، ٹی وی، اور دیگر جدید میڈیا کرہ ارض پر بسنے والے اس حیوان ناطق کا جو نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ اس کا سبب صرف اور صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا میں نظام خلافت مفقود ہے۔ اور اس بدامنی، فساد اور ناانصافی کا حل صرف اس بات میں مضمر ہے کہ اس دنیا کے اندر ایک بار پھر اسلام کے نظام خلافت وامارت کو جاری وساری کر دیا جائے۔ یہ صرف عقیدتاً کہنے کی بات ہی نہیں۔ بلکہ

"الفضل ما شھدت بہ الأعدآء" کے مصداق برطانیہ کا معروف سیاستدان موسیو کاسٹن اسلام کے نظام خلافت و

امارت کے متعلق کہتا ہے:

''روئے زمین پر اگر قرآن کی حکومت جاتی رہی تو دنیا کا امن وسکون کبھی قائم نہیں رہ سکتا (۷)

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔آج کشمیر، روس، برطانیہ، امریکہ اور فرانس غرضیکہ دنیا کا کونسا خطہ ایسا ہے جہاں امن ہے۔

ایک اور مغربی دانشور اسلامی طرز حکومت کی تعریف وتوصیف میں یوں گویا ہے۔

''دنیا اپنے جھگڑوں سے نجات حاصل کرکے امن کا گہوارہ بننا چاہتی ہے۔تو اسے محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا (۸)

آج روئے زمین پر (U.N.O) نام نہاد سلامتی کونسل، سارک، R . C . D یورپی یونین (O.I.C.) ایسی بے شمار تنظیمیں بین الاقوامی سطح پر موجود ہیں۔مگر ممالک کے آپس میں جھگڑے ہیں کہ شیطان کی آفت کی طرح بڑھتے ہی چلے جارہے ہیں۔اندرون ملک ہر ملک میں ہر طبقہ زندگی کے حقوق کے تحفظ کیلئے تنظیمیں، حکومتی سطح پر آئے دن قانون پر قوانین کا اطلاق، عدالتیں ان پر Check and balnce کیلئے مزید اعلیٰ اختیاراتی Plate forms یہ سب اپنی جگہ پر موجود، مگر دنیا کا کوئی غریب ملک ہو یا امیر، ترقی یافتہ ہو یا غیر ترقی پذیر، امن وسکون ہر ملک میں غارت ہو چکا ہے۔اور آرنلڈ کے بقول یہ امن اسی صورت میں دنیا میں عود کر سکتا ہے۔کہ عامة الناس اللہ کی الہیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر عمل پیرا ہو کر اس نظام امن وسکون کو اپنالے جو عرف عام میں نظام خلافت و امارت کہلاتا ہے۔

آج ہر طرف جمہوریت، جمہوریت کی رٹ ہے۔خصوصا یورپی ممالک اس نظام حکومت کے بڑے دلدادہ ہیں۔اسی جمہوریت کے عدم ووجود پر ممالک کو امداد دی جاتی ہے۔یہ امداد بھی دراصل ایک ہتھکنڈا ہے جس کی بنا پر غریب ممالک واقوام پر اپنی شرائط مسلط کر کے ان کی آزادی سلب کی جاتی ہے۔مگر ایک یورپی دانشور اسلام اور جمہوریت کا موازنہ کرتے ہوئے اس طرح رائے زنی کرتا ہے۔

ایم این رائے کے بقول:

''اسلام سے قبل کوئی جمہوریت نہیں جانتا'' (۹)

ہمارے نزدیک خلافت وجمہوریت دو متضاد حقیقتیں ہیں دو الگ تھلگ نظام ہائے حکومت ہیں مگر ان غیر مسلم فلاسفروں کی عقیدت کی انتہا ہے۔کہ انہیں اپنے اس نظام کی بنیاد میں اگر کوئی خوبی نظر آئی تو یہ کہ اسلام نے جمہوریت کا تصور دیا۔کیونکہ اظہار رائے کی آزادی، مساوات، قانون کی پاسداری، ایسے لابدی اصول ہیں۔جن میں ترمیم کے بعد اور یونانی فلسفہ کی آمیزش سے یورپ نے جو نظام تجویز کیا اس کو جمہوریت کہا جاتا ہے۔

چونکہ اسلام سے قبل پوری انسانی برادری آمریت، موروثی شہنشاہیت اور جنگل کے قانون کا منظر پیش کر رہی تھی۔اسی پر بس نہیں ان کے ہاں مذہبی اختیار واقتدار بھی موروثی ہی تھا۔اور یہ وراثتی طرز حکومت صلیبی جنگوں کے اختتام تک پوری عیسائیت پہ چھایا رہا۔تا آنکہ یورپ میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔تو یورپ نے اس سے نجات حاصل کی۔اور ادھر اسلام میں پہلا خلیفہ بنو تمیم سے دوسرا بنو عدی، تیسرا بنو امیہ اور چوتھا خلیفہ بنو ہاشم سے۔مقصد عرض یہ کہ وراثت کا تصور ہی مفقود۔

شاید اسی لئے موصوف نے کہا کہ اسلام سے قبل جمہوریت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک روشن دین ہے۔جو اپنے پیرو کاروں کی اصلاح دارین کا داعی ہے۔اور اس کا نظام تا قیام قیامت دائمی اثرات کا حامل ہے۔اسی پر بس نہیں بلکہ ایک مغربی مفکر بلائڈن اسلام اور عیسائیت کا موازنہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

''عیسائیت نے انسان کو غلام بنایا اور محمد ﷺ کے دین سے حقیقی جمہوری حکومتوں کا قیام ہوا'' (۱۰)

زیر مضمون میں یہی مقصود و مدعا ہے کہ اسلام کے اس حقیقی تصور حکومت کو حیطہ تحریر میں لایا جائے جو صحیح معنوں میں انسانیت کی فلاح و بقا کا ضامن ہے۔اور یہ بھی حقیقت ہے۔کہ عیسائیت بھی ایک دین الٰہی ہی ہے۔مگر سابقہ تمام ادیان میں جو تحریف ہوئی ہے اس کی بنا پر ان لوگوں نے اپنا طرز حکومت بدلا اور وراثتی شہنشاہیت کو اپنا نظام حکومت قرار دیا اور موجودہ دور میں یہ مسیحی فلاسفر و دانشور جمہوریت کے درپے ہیں۔حالانکہ ان کا نظام حکومت بھی وہی ہے۔جس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے۔

عیسائیت بنی اسرائیل کی آخری نبوت کا پرتو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے:

يا داؤد انا جعلنك خليفة في الارض (۱۱)

ہم نے داؤد سے یہ بھی فرمایا کہ اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین کا حاکم بنایا ہے۔

اس خلافت کا مقصد دنیاوی شان وشوکت کا اظہار یا غلامی ومحکومی کا تصور نہیں تھا نہ ہی اس خلافت کا مدعا ومطلوب اعلیٰ وادنیٰ میں تفریق اور Devide and rule تھا بلکہ قرآن عظیم نے جناب داؤد علیہ السلام کے منصب خلافت کے مقصود ومطلوب کو یوں واضح فرمایا ہے:

''فاحکم بین الناس بالحق'' (۱۲)

پس آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ

فیصلہ کریں۔

حق کیا ہے؟ آیئے قرآن کریم ہی سے حق کے متعلق پوچھتے ہیں۔ اللہ رحمٰن و رحیم کے نزدیک تمام نظام ہائے طاغوت باطل اور اسلام ہی حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

" قل جاء الحق وزهق الباطل " (۱۳)

اے نبی فرما دیجئے کہ سچا دین اسلام آ گیا اور جھوٹا دین مٹ گیا۔

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد 360 بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ ایک چھڑی سے جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ ایک ایک بت کو ٹھونسا دیتے جاتے اور فرماتے جاتے "جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا جاء الحق وما يبدى الباطل وما يعيد (۱۴)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور قرآن مجید کی وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ حق وہ سچا دین ہے جو اللہ مالک الملک نے انسانوں کی ہدایت کیلئے بذریعہ وحی مبارک آسمان سے نازل فرمایا ہے۔ اور جناب داؤد علیہ السلام کو بھی اسی حق (یعنی دین) کے ساتھ فیصلہ کیلئے خلافت سے نوازا گیا۔

اس تمام تمہید سے ثابت یہ ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لیکر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء کرام اس دنیا میں خلافت ارضی کے مقام و منصب پر متمکن تھے۔ اور ان کا مقصد اسلام کے علاوہ باقی ماندہ جتنے بھی باطل افکار، نظریات، اعمال اور نظام ہائے حکومت تھے، سبھی کو صفحۂ ہستی سے مٹانا تھا۔

نبی اکرم ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت منقطع ہو گیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے بعد بنی آدم ذہنی ارتقاء کے اس مقام پر پہنچ گئی کہ اب وہ وحی الٰہی کی موجودگی میں، شارع علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں اپنی بود و باش اور طرز زندگی کو مشیت ایزدی کے مطابق بنا سکتی ہے۔ لہٰذا اب امت محمدیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اس مقدس فرض اور مقام و منصب کو پہچانے اور دنیا میں نظام خلافت و امارت کا احیاء کرے۔ تاکہ سسکتی بھٹکتی ہوئی انسانیت اسلام کے نظام امن و آشتی کے سایہ میں آ کر سکون و راحت پا سکے۔

خلافت

لغوی معنی، جانشینی، قائم مقامی، نیابت اور نیابت محض اس غرض سے ہو کہ نائب کو شرف نیابت بخشا جائے یا یہ کہ نیابت اپنے پیش رو کی غیر حاضری، عجز و معذوری یا اس کی موت کے باعث معرض وجود میں آئی ہو (۱۵)

امارت

حکومت، حاکمی، سرداری (۱۶)

خلافت فخر الدین رازی کے نزدیک "خلیفہ" جو کسی کا قائم مقام و جانشین بنے۔ نیز خلافت وہ بڑی ریاست و ولایت جو دین و دنیا کی نگہبانی کے لئے قائم ہو۔ خلفائے راشدین کے دور میں خلیفہ کیلئے امامت، خلافت، قضاء و حکومت لازم و ملزوم تھیں۔ اور انہیں امیر المومنین کہا جاتا تھا (۱۷) خلافت کے متعلق ثمار القلوب میں ثعلبی نے مسیح الملک کے حوالہ سے ابوالفتح البستی کا یہ قول نقل کیا کہ:

"خلافت اللہ کی طرف سے ہے اور یہ بندوں اور بادشاہوں کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ اور خلافت اللہ کی مخالفت کے ساتھ کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتی (۱۸)۔

امام سیوطی کے نزدیک خلیفہ وہ حکمران ہے جو صرف حق کو لے اور حق ہی میں خرچ کرے۔ اسی طرح بادشاہ اور خلیفہ کے فرق کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بادشاہ "جو لوگوں پر ظلم کرتا ہے کسی سے ناجائز لیتا ہے اور کسی کو ناجائز دیتا ہے" (۱۹)

امام ابو الحسن ماوردی خلافت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"الامامة موضوعة لخلافة النبوة فى حراسة الدين وسياسة الدنيا (۲۰)

یعنی کہ شارع علیہ السلام کی دنیا کی سیاست اور حفاظت دین میں صحیح صحیح جانشینی کا نام ہے۔

ابن خلدون اور خلافت

"فهى فى الحقيقة خلافة عن صاحب الشرع فى حراسة الدين وسياسة الدنيا به "(۲۱)

یعنی کہ شارع علیہ السلام کی دنیا کی سیاست اور حفاظت دین میں صحیح صحیح جانشینی ہی درحقیقت خلافت کہلانے کی حقدار ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ریاست، خلافت اور اس کی ذمہ داریوں پر بالتفصیل یوں روشنی ڈالی ہے۔ جس سے خلافت کے خط و خال سمجھنے اور متعین کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اور اسلام کا نظام خلافت و امارت سمجھ آ سکتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ خلافت اور دوسرے نظام ہائے باطلہ کو بھی پرکھنے میں یہ بڑی مدد ہے۔ فرماتے ہیں:

"هى الرياسة العامة فى التعدى لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطاء هم من الفئى والقيام بالقضاء واقامة الحدود

ورفع المظالم والامر بالمعروف والنهی عن المنکر نیابة عن النبی ﷺ (۲۲)

یعنی کہ خلافت وہ ریاست عمومیہ ہے جو بالفعل بحیثیت نیابت نبی ﷺ معرض وجود میں آئی ہو۔ اور جو اقامت دین، علوم دینیہ کے احیاء ارکان اسلام کے قیام، جہاد کے قیام، اسلامی لشکروں کی تشکیل وترتیب، مجاہدین کے وظائف کا تقرر، غنائم کی تقسیم، عدلیہ کا قیام، حدود اللہ کا نفاذ، ظلم کا خاتمہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض سرانجام دے۔ جدید سیاسی میدان میں ریاست کویت کے مرتب کردہ ''الموسوعۃ الفقیھہ'' میں خلافت کی تعریف یوں کی گئی ہے:

ھی ریاسة عامة فی الدین والدنیا نیابة عن النبی ﷺ ونسمی ایضا الامامة الکبری (۲۳)

یعنی کہ ایک ایسی مملکت جو نبی ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے دینی اور دنیوی تمام امور کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دے اور اس کو امامت کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

ان مسلم ائمہ کی تعریفات کی رو سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام جو کہ فلاح دارین کا داعی مذہب ہے۔ ایک ایسے عادلانہ، فلاحی اور ذمہ دار نظم حیات کا قائل ہے۔ جہاں انصاف، مساوات، بھلائیوں کی ترغیب، اعمال بد کی تحدید باطل نظریات وافکار کی تخریج، طاغوت کی قطع وبرید کہ آئندہ کوئی طاغوتی نظام دوبارہ جنم نہ لے سکے۔ اسی طرح انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دینا اور اس کو خالق ارض وسما کی جنتوں کی منزل کا پتہ دینا بھی اسی اسلامی نظام حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔

اسلامی نظام حکومت جن جن علاقوں میں قائم ہوا وہاں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی اس کی فیض یابیوں سے بہرہ ور ہوئے۔ انسان تو انسان چرند، پرند حیوانات بھی غرضیکہ ہر مخلوق اللہ کریم کے اس احسان عظیم سے فیض یاب ہوئی۔

اسلام کا یہ طرز حکومت سابقہ وموجودہ ہمہ قسم نظام ہائے باطلہ میں انفرادیت رکھتا ہے۔ زمانہ قدیم کی شہنشاہیت، مطلق العنان شخصی طرز حکومت، مذہبی اجارہ داری (Theocaracy) قرون وسطیٰ کی مخلوط طرز حکومت، دور جدید کی جمہوریت، اشتراکیت، لادینیت، دھریت، ہمہ قسم نظریات حکومت اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ یہ تمام نظام ہائے حکومت انسان کو انسان کا غلام بناتے ہیں اور اسلام ان تمام کے خلاف جہاد کا طرز عمل اپناتا ہے۔ اور یہ اعلان کرتا ہے **'' وقاتلوھم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین للہ۔**

یعنی کہ ان تمام نظامہائے باطلہ سے مقاتلہ کرو یہاں تک کہ دین میں تمام فتن ختم ہو جائیں، اور اس روئے زمین پر اللہ احکم الحاکمین کا دین قائم اور غالب ہو جائے، یعنی اسلام کا نظام خلافت قائم ہو جائے۔

اس تصور کو قرآن ایک اور جگہ بڑے احسن پیرائے میں بیان کرتا ہے:

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰة واتو الزکوٰة وامروا بالمعروف ونھو عن المنکر

مسلمان ایسے ہیں کہ اگر ہم انہیں ملک میں جماویں یعنی حکومت دیں تو (نماز) صلوٰۃ کو درستی سے پڑھائیں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور اچھی بات کا حکم کریں گے۔ اور بری بات سے روکیں گے۔

اسی پر اکتفا نہیں بلکہ قرآن کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ ذوالمنن نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی نظام خلافت وامارت کی تشکیل قرار دیا ہے۔ سورۃ الحدید میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط

ہم نے تو اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری اور میزان تاکہ وہ لوگوں پر انصاف کے ساتھ قائم رہیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ میزان سے مراد وہ نظام حکومت ہے جس کی بناء پر انبیاء رسل انصاف کے ساتھ لوگوں پر حکمران رہے۔

کلمہ ''یقوم'' کا مادہ ''ق وم'' ہے اور اسے ایک اور کلمہ قوام بنتا ہے۔ قوام حاکم اور اولی الامر یہ تینوں کلمات آپس میں مترادف ہیں۔ جب ہم لغوی بحث میں جائیں تو ان تینوں کلمات میں ایک لطیف سا فرق بھی موجود ہے۔ مگر مفہوم حکمران ہونا، صاحب امر ہونا وغیرہ ہی ہے۔

صاحب مترادفات القرآن نے اس لطیف فرق کو یوں بیان کیا ہے:

۱) حاکم

وہ شخص جو لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ اور ظالم کو ظلم سے روکے۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

۲) اولی الامر

کسی شخص کو کسی علاقے کا والی، حاکم، بادشاہ بنانا۔

اطیعواللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم

۳) کھڑانا

وہ شخص جو کسی فرد، ادارے یا نظام کے

معاملات کو چلانے کا ذمہ دار ہو۔

الرجال قوامون علی النساء

(الآیۃ)

یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط

قرآن نے حکمران کے لئے تین الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان میں سے قوام میں زیادہ جامعیت پائی جاتی ہے۔تو اللہ رحمٰن رحیم نے اپنے انبیاء کرام کیلئے جو طریق حکومت و انتظام تجویز کیا وہ زیادہ جامعیت والا تھا۔ اس لئے تمام انبیاء، پر بالعموم اور امت محمدیہ پر بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس نظام خلافت کیلئے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیں۔ یہ قربانی حاملین اسلام کا مطمع نظر اور قرآن کا ہدف وحید ہے۔جس کی دلیل ہے:

ھو الذی أرسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

اللہ کریم وہی ذات ہے جس نے اپنے محبوب رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

اور اس قربانی کیلئے جو شخص کام آ جائے وہ شہید ہے۔ اور اس کا یہی طرز عمل شہادت کہلاتا ہے۔اور بقول شخصے ''شہادت خلافت کی روح ہے''

تو معلوم ہوا کہ اسلام کے نظام حکومت کو دنیا کے بنائے ہوئے نظام ہائے حکومت پر غالب کرنا۔ یہی وہ اول و آخر مقصد وحید تھا جس کیلئے نبی مکرم ﷺ کو ہدایت اور دین کے ساتھ اس دنیا میں مبعوث فرمایا گیا اور جن پاکباز نفوس نے اس مقصد کیلئے اپنی جان قربان کی وہ شہید جیسے مقام عظیم اور بلند رتبے پر فائز ہوئے۔ اور جب تلک یہ عمل عظیم مسلمانوں میں جاری و ساری رہا۔خلافت کا آفتاب اپنی پوری رعنائی اور مازت کے ساتھ اس روئے زمین پر جلوہ گر رہا اور جونہی حاملین قرآن عظیم نے شہادت سے روگردانی کی حاملین نظام ہائے باطلہ چڑھ دوڑے اور آج تک امت مسلمہ اس حال میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ کہ بساط خلافت الٹ چکی ہے اور امت اپنے منصب سے نا آشنا و نالاں قعر مذلت میں ڈوبی چلی جارہی ہے۔ اقبال نے اس منظر کو یوں بیان کیا

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے

شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

عملی زندگی میں اسلام کے نظام خلافت اور باطل و فرسودہ و موجودہ نظام ہائے حکومت میں کیا فرق ہے؟ کوشش کریں گے کہ اپنی بات مدلل ہو اور قرآن سے استشہاد ہو۔

۱) اسلامی نظام حکومت میں اقتدار اعلیٰ خلیفۂ وقت، اس کی شوریٰ، یا اور کسی ادارے کے پاس نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ بزرگ و برتر کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے قانون شریعت کو مملک کے قانون کی حیثیت سے رائج کیا جاتا ہے۔ مملک کا کوئی بھی مسئلہ ہو رہنمائی کیلئے قرآن کریم موجود ہے۔ اور قرآن حکیم کی راہنمائی میں ہی خلیفہ وقت امور مملک نبٹاتا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے۔

ان الحکم الا للہ

اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔

تو ثابت یہ ہوا کہ خلیفہ وقت کی حیثیت مقتدر اعلیٰ کی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو ایک خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔ سابقہ امتوں میں قیادت و راہنمائی کا فریضہ انبیاء کرام سرانجام دیتے تھے مگر ان کی حیثیت بھی نائب کی سی ہوتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کو یوں آشکار کیا:

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء

کہ بنی اسرائیل کی قیادت و راہنمائی انبیاء علیہم السلام فرمایا کرتے تھے کہ جب ایک نبی وصال فرماجاتے تو اللہ تعالیٰ دوسرے نبی کو مبعوث فرماتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا ہاں میرے بعد خلفاء ہوں گے۔

تو حدیث بالا سے اس بات کا واضح ثبوت مل گیا ہے۔ کہ خلیفہ کا وجود ہر دور کی اہم ضرورت ہے۔ اور اس کے بغیر نظام خلافت کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور خلفائے راشدین کے ادوار کا جب بھی ہم مطالعہ کریں تو خلافت اور اقتدار اعلیٰ کے فرق واضح ہو جاتے ہیں۔

۲) یہ الگ بات ہے کہ خلیفہ وقت کو ان احکامات کے نفاذ کیلئے اور پوری امت میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی غرض سے ایسے صالح باعمل اہل علم و دانش افراد کی مجلس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن کے ساتھ صلاح مشورہ کیا جائے لیکن یہ مجلس شوریٰ جمہوریت کی طرح قانون ساز ادارہ نہیں ہوتی بلکہ اس کی حیثیت صرف اور صرف اسی قدر ہے کہ آپس میں مل بیٹھ کر اس پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن سنت کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔

آپ ﷺ نے اکثر و بیشتر تمام غزوات کے موقع پر مجلس ہائے مشاورت منعقد کیں۔ اور قرآن مجید میں بھی اس مشاورت کی طرف اشارہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

وشاورھم فی الامر

اور معاملہ میں ان سے مشورہ لے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس آیت کے مصداق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں کیونکہ یہ دونوں نبی اکرم ﷺ کے حواری اور وزیر تھے۔ مشورہ لینا اور مجلس شوریٰ کا قیام نبی اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ میں سے ہے۔ مگر فیصلہ کا اختیار جمہوریت کی طرح اکثریت کو۔ مفاد عامہ اور مصلحت کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مجلس شوریٰ خلافت کا ایک رکن رکین ہے۔ مگر اس کی حیثیت و

ہیئت موجودہ پارلیمنٹ سے یکسر مختلف ہے۔ اور سابقہ نظام کے مصاحبین کے طرز عمل سے بھی الگ تھلگ۔

اگر ہم شوریٰ کے کلمہ پر غور کریں تو علمائے لغت کے مطابق شہد کی مکھی کا رس چوسنے کا عمل شوریٰ کہلاتا ہے۔

تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ معاشرے کے باصلاحیت افراد میں سے ان افراد اکا انتخاب اس مقصد کیلئے کیا جائے تو نابغہ روزگار شخصیت ہوں۔ کیونکہ مکھی بھی پودے کے خوبصورت ترین حصہ یعنی پھول میں سے اسکا اہم ترین حصہ رس چوستی ہے۔ تو خلافت کے وزیر و مشیر بھی ایسے ہی عمدہ صفات کے حامل ہوں تو پھر خلافت وہی منظر پیش کرے گی۔ جو قرآن کریم کا مطمع نظر ہے۔

۳) انتخاب خلیفہ

انتخاب خلیفہ کیلئے اسلام جیسے پیارے دین میں کوئی لگا بندھا قانون نہیں ہے۔ بلکہ خلیفہ کون منتخب ہو؟

اس کیلئے چند ایک شرائط ہیں جو جس شخص میں موجود ہوں، وہ خلیفہ بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

i) خلیفہ وقت ایسا فرد ہو جس پر تمام امت متفق ہو۔ یا کم از کم امت کا غالب ترین حصہ اس کی امامت پر متفق ہو جیسا کہ جناب صدیق و عمر و عثمان رضی اللہ عنھم کی خلافت پر تمام امت متحد و متفق تھی معدودے افراد جو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق نہ تھے۔

ii) خلیفہ ایسا شخص منتخب کیا جانا چاہئے جس کے پاس رجال کار موجود ہوں وہ اپنا حکم بزور طاقت منوانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

iii) خلیفہ وقت تقویٰ و بزرگی میں سب سے بڑھ کر ہو۔

iv) اسی طرح علم و وجاہت و شجاعت میں بھی خلیفہ وقت سب سے بڑھ کر ہو۔

v) خلیفہ وقت میں یہ خوبی بھی ہونی چاہئے کہ وہ حالات و واقعات کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کے بعد قوت فیصلہ رکھتا ہو۔

ان شرائط کا حامل جو خلیفہ منتخب کیا جائے گا اس کی اطاعت فرض ہوگی۔ اور اس کے حکم سے انحراف یا روگردانی شرعاً ناجائز ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ:

ولو استعمل علیکم عبد یقودکم بکتاب اللہ اسمعوا واطیعوا

اگر تمہارا قائد ایک غلام بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے ساتھ تم پر حکمرانی کرے تو اس سے تعاون کرو۔ اور اس کی اطاعت کرو اور فرمایا کہ:

جب تک کوئی حاکم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دے تو اس کی بات سننا اور اسکی اطاعت کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ خواہ وہ بات مسلمان کو پسند ہو یا ناپسند۔ اور اگر حاکم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے تو نہ اس کی بات سنی جائے اور نہ ہی اس کی اطاعت کی جائے، فرمان رسول ہے:

السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یومر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة

مزید فرمایا:

من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصا امیری فقد عصانی

گویا کہ میرے مقرر کردہ امیر کی فرمانبرداری درحقیقت میری اطاعت ہے اور میرے مقرر کردہ نائب کی نافرمانی درحقیقت میری نافرمانی ہے۔

درج بالا احادیث سے اس بات کی واضح دلیل ملتی ہے کہ نظام کار صرف اسی صورت میں مضبوط بنیادوں پر استوار رہ سکتا ہے۔ جہاں اطاعت و فرمانبرداری عبادت کے درجہ پر ہو۔ اور یہ شرف بھی اسلام ہی کو حاصل ہے۔ کہ اس کے ماننے والے اپنے امیر کی اطاعت صرف اسی جذبے کے تحت کرتے ہیں کہ اطاعت امیر درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اور امیر کی اطاعت بھی اسی طرح فرض ہے مگر امیر بہر حال انسان ہے۔ معصوم عن الخطا نہیں ہے بلکہ خطا کا پتلا ہے۔ اور اس ناطے بسا اوقات وہ ایسا حکم صادر کر سکتا ہے جس میں خالق کی نافرمانی کا عنصر غالب ہو۔ اگر امیر کوئی ایسا حکم دے تو ایسا حکم ماننا جائز نہیں۔ مگر اس بناء پر امیر کی اطاعت سے پہلو تہی کرنا بھی جائز نہیں۔ جماعت کے ساتھ رابطہ استوار رکھنا بہر صورت لازم ہے اور اس بنا پر اطاعت کا حلقہ گردن سے اتارا نہیں جا سکتا کہ امیر نے کوئی ایسا حکم دیا ہے جو کہ اللہ رب العزت کی منشا کے منافی تھا بلکہ صرف وہ حکم ہی ناقابل اطاعت ہے۔

اسی طرح ان احادیث میں ایک لطیف نکتہ اور بھی بڑے واضح طور پر ملتا ہے۔ کہ حاکمی و محکومی کا تعلق نسل سے نہیں بلکہ اس کا تعلق تقویٰ اور پرہیز گاری سے ہے۔

اور حکمران جو بھی مقرر ہو جائے اس کا رنگ، نسل اور خاندان نہیں بلکہ اس کا منصب اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اس کی اطاعت درحقیقت نبی ﷺ کی اطاعت ہی ہے۔ بشرطیکہ وہ (امیر) اپنی جماعت کی ہدایت و راہنمائی کا فریضہ شریعت کی روشنی میں سرانجام دے جو خالق لم یزل کی منشا و مرضی ہے۔

یہ اطاعت امیر کوئی وقتی یا جزوی چیز نہیں بلکہ یہ ہمہ وقتی ہے۔ اور اطاعت امیر سے انحراف پر وعید ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ فرمان نبوی ہے:

من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات میتة جاھلیة

یعنی کہ جو مسلمان امیر ک اطاعت سے انحراف کرے اور جماعت سے الگ ہو جائے اور

اسی حالت میں اگر وہ مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔

معلوم ہوا کہ امیر کی اطاعت سے انحراف کا مطلب وہ زمانہ جاہلیت ہے جو قبل از اسلام تھا۔ کیونکہ ایک مسلمان اور عام انسان میں فرق صرف اور صرف اسلام ہی تو ہے۔ اسلام انسان کو صرف اپنے تک ہی محدود نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک مسلمان پر اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر ایک منظم و مربوط اور اجتماعی و جماعتی شکل میں کوشش بھی فرض کرتا ہے۔

حکیم اعظم و طبیب امت کے اقوال و فرمودات تا ابد اس انسانیت کیلئے مشعل راہ ہیں۔ اور دین و دنیا کی کامیابی و کامرانی کی بنیاد صرف انہی فرمودات پر عمل پیرا ہونے ہی میں ہے۔

مسلم قوم کی ترقی و تنزلی کا معیار جدید تعلیم، مادی ترقی، ذرائع معاش کی بہتات، دولت و ثروت کی ریل پیل نہیں۔ بلکہ مسلم معاشرہ صرف اسی صورت میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور اتنی ہی ترقی کر سکتا ہے۔ جس قدر وہ سنت رسول اکرم ﷺ پر عمل پیرا ہوگا۔ جس قدر سنت رسول ﷺ سے اغماض و چشم پوشی آتی جائے گی اسی قدر مسلم معاشرہ طوائف الملوکی اور انارکی کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ بالآخر ایسا وقت بھی آئے گا کہ اللہ مالک الملک کی زمین وسیع ہونے کے باوجود حاملین قرآن مقدس کیلئے تنگی داماں کا منظر پیش کرے گی۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ آج اس موجودہ کرہ ارض پر 55 مسلم ریاستیں ہیں جن کی کل آبادی دنیا کا 1/4 حصہ ہے اور ہمہ قسم کے وسائل سے مالا مال ہے۔ جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہے مگر عزت کی زندگی سے محروم ہے ذلت و مسکنت پوری امت مسلمہ کا مقدر بن چکی ہے۔ اس کی وجہ راقم الحروف کے خیال میں رسول اللہ ﷺ کے فرمودات سے انحراف ہے۔

۴۔ قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

تو مذہب و دین کا سرچشمہ فرامین و ارشادات رسول عربی ﷺ ہی تو ہیں۔ اور جب ان پر عمل ندارد تو ترقی و عزت کا خواب کیوں کر شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے تو ایک امیر کے ہوتے ہوئے دوسرے امیر کے وجود کو گوارا نہ کیا۔ اور اس کے قتل کا فرمان صادر فرمایا۔ اور آج پچپن اسلامی ریاستیں اور ان کے اسی تعداد کے حکمران اتنی دیدہ دلیری سے نبی مکرم ﷺ کے فرامین سے انحراف اور صرف نظر کریں تو پھر عزت و آبرو کی امید کسی مافوق الفطرت یا فاطر العقل انسان کا خواب پریشان تو ہو سکتا ہے۔ کسی عقل سلیم رکھنے والے فرد کی سوچ کا محور نہیں ہو سکتا۔

محمد عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد ، یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ

جب تم ایک شخص کی امارت پر جمع ہو جاؤ اور پھر تمہارے پاس ایک شخص آئے جو تمہاری قوت کو توڑنا چاہے اور تمہارے مابین پھوٹ ڈالنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر ڈالو۔

اسی طرح ایک موقع پر رسول ﷺ نے فرمایا "تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن کی محبت تمہارے دلوں میں ہو۔ اور ان کے دلوں میں تمہاری محبت ہو۔ تمہاری زبانوں سے ان کیلئے رحمت کی دعا نکلے اور ان کی زبانوں سے تمہارے لئے رحمت کی دعا نکلے۔

اور بدترین حکمران وہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں ان کی دشمنی ہو اور وہ تمہارے دشمن ہوں، تم ان پر اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا، کیا ایسے حکمرانوں سے ہم جھگڑیں؟

تو جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا ماقاموا فیکم الصلوٰۃ الا من ولی علیہ وال فراہ یاتی شیئا من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یدا من طاعتہ

کہ ان سے جھگڑیں نہیں اور جب تک وہ نماز ادا کرتے رہیں تم ان کی اطاعت کرتے رہو، اور ان کی جو بات گناہ کی دیکھو اسے پسند نہ کرو۔ مگر حاکم کی اجتماعی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔

درج بالا حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اطاعت حاکم ہر صورت میں لازم و واجب ہے۔ کسی صورت اس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر حکمران اقامت صلوٰۃ کے فرض سے پہلو تہی کریں تو اس صورت میں ان کی اطاعت سے الگ ہوا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث اور اس سے قبل ذکر کردہ آیات، ائمہ دین کے اقوال کی روشنی میں اولی الامر، امیر اور خلیفہ کے چاروں کلمات اس جانشین حقیقی کیلئے وارد ہوئے ہیں جو صحیح معنوں میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہو۔ اس کی اطاعت کا وجوبی حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف وجوب کی حد تک ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اس سے انحراف کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ انحراف کی صورت میں جاہلیت کی وعید موجود ہے۔

ii) قرآن مجید میں کلمہ "امت" اور احادیث میں "جماعت" ہر دو جگہ مقصود اجتماعیت ہے کہ کلمہ گو مسلمان خواہ جماعت کہلائیں اور خواہ امت ان میں اتحاد و یگانگت ہونی چاہئے۔ بلکہ قرآن مجید میں اتحاد امت پر سورہ آل عمران کا مکمل ایک رکوع موجود ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

بہر حال قصہ مختصر اسلام عملی زندگی میں صرف دو چیزوں سے عبارت ہے۔ ۱) اطاعت امیر، ۲) اتحاد امت۔

یہ ایسا تصور حکومت تھا۔ جو دور نبوی میں موجود تھا۔ خیر القرون کے مسلمان اس کی اہمیت

سے آشنا تھے۔اس لئے مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تجہیز و تکفین کو تو موخر کیا مگر اپنے دینی و دنیوی تحفظ وانصرام کیلئے اور وحدت امت کیلئے خلیفہ کا انتخاب پہلے کیا۔

اس وقت سے مسلمانوں میں نظام خلافت و امارت کی داغ بیل پڑی۔ خلافت وہ نظام جو رائج ہوا۔اور امارت وہ طریق کار جس پر اس نظام کو چلایا گیا۔ خلیفہ وقت کو جماعتی اور ملی زندگی میں ایک مرکزی مقام حاصل ہوتا ہے۔تمام امت اس مرکز کے گرد محیط کی صورت میں ہوتی ہے۔اور امت امام وقت کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جان و مال قربان کو اپنا فرض اولین سمجھتی ہی نہیں بلکہ دارین کی سب سے بڑی سعادت جانتی ہے۔اور اس فعل امت پر قرآن حکیم یوں گواہی دیتا ہے:

الذین آمنوا وھاجروا وجاھدو فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عنداللہ واولئک ھم الفائزون

جو لوگ ایمان لائے انہوں نے ہجرت کی اللہ کریم کے رستے میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا۔ان کا درجہ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت بڑا ہے۔اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور یہ ایسا فرض ہے۔کہ امت کا کوئی فرد اس کے بغیر جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی روشنی میں نہیں آ سکتا۔ جب تک یہ قیادت کتاب وسنت کے مطابق چلے۔ اس کی اطاعت ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔

حالات و قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت دراصل آپ ﷺ کے وصال کے بعد دین کے اجتماعی مقاصد اور امت کے نظم کو قیامت تک کیلئے جاری وساری رکھنے کیلئے ایک عمل مسلسل کا نام ہے۔ اس بنا پر آپ کے وصال کے بعد فورا خلافت کا قیام عمل میں لایا گیا اور خلافت نے امت مسلمہ کی سیاسی، معاشرتی نبوی تنظیم کو قائم رکھا۔ ضرورت کے تحت اصلاح ترتیب کیلئے نئے ادارے قائم کئے۔ تاہم بنا بریں مدت و مدید خلافت کے اندر ضعف پیدا ہوتا چلا گیا۔ مگر باوجود ضعف و کمزوری کے یہی نظام خلافت صدیوں تک اللہ کی اسی زمین پر سایہ فگن رہا۔اور امت مسلمہ کو ہمیشہ اس سے دینی اور جذباتی لگاؤ رہا۔ کیونکہ امت کے جملہ مفادات کے تحفظ کا ضامن یہی ادارہ ہے۔اور ایسی قیادت کی عدم موجودگی مسلمانوں کی ملی اور قومی موت ہے۔

اس بنا پر فقہا نے خلفاء نے خلافت کا قیام امت مسلمہ پر فرض اور واجب قرار دیا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بلاد اسلامیہ کے حدود بہت وسیع وعریض ہوں تو کیا اس صورت میں دو امیر منتخب ہو سکتے ہیں؟

اس کا جواب ''نہیں'' ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں میں نہیں۔

مگر عملی طور پر خلافت عباسیہ ادھر براعظم ایشیا اور افریقہ پر قائم تھی۔ مگر ادھر بلاد اندلس جو کہ ان دنوں ہسپانیہ کہلاتا تھا۔ وہاں اموی خاندان کے چشم و چراغ یکے بعد دیگرے بطور خلیفہ حکمران بنتے رہے۔

امت نے اس عمل کو قبول عام غشا، تو معلوہوا کہ بہت زیادہ دوری کی بنا پر ایک وقت میں دو خلفاء ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا آپس میں ٹکراؤ نہ ہو۔

مگر یہ فعل رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و فرمودات اور آیات قرآنیہ کی روشنی میں محبوب و مقبول نہیں ہے۔جیسا کہ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں۔

اتفق العلماء علی انہ لا یجوز ان یعقد لخلیفتین فی عصر واحد سواء اتسعت دارالسلام ام لا

کہ تمام علمائے امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دارالسلام جتنا بھی وسیع ہو ایک زمانے میں مسلمانوں کے دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

اس ضمن میں امام صاحب بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ جو علاقہ دارالسلام سے بہت دور ہو وہاں کوئی دوسرا قائد منتخب کیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں؟

امام صاحب نہایت پرزور انداز میں فرماتے ہیں کہ تمام متقدمین ومتاخرین ائمہ کرام متفق ہیں کہ دور دراز کے مسلمانوں کو دوسرا امام یا خلیفہ مقرر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ظاہر فرمان کا یہی تقاضا ہے۔

امت کے اجتماعی مصالح کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ دور دراز کے علاقہ کے حکمران اپنے آپ کو خلافت اسلامیہ میں شامل رکھیں۔ اور اپنے آپ کو خلافت کے زیر نگرانی رکھیں۔ اور اگر بوجہ دوری ان علاقوں کے نظم میں کچھ مشکلات حائل ہوں تو ان کے حل کیلئے خلافت سے رجوع کریں۔ اور باہمی رضامندی سے اپنے معاملات طے کریں۔ تاکہ نہ تو ان کیلئے کوئی مشکل پیدا ہو اور نہ ہی امت کا باہمی ربط ٹوٹے اس سلسلہ میں دونوں طرف سے نرم روی اور رواداری کی ضرورت ہے۔ اور اگر خلافت اسلام کے لافانی اصولوں کے مطابق چل رہی ہو تو اس قسم کے مسائل کے حل کیلئے ہی مجلس شوریٰ موجود ہے۔ اور شوریٰ نے خلافت راشدہ میں بڑے بڑے کٹھن مراحل پر اپنا فرض منصبی کما حقہ ادا کیا ہے۔

برصغیر کے حکمران بھی ان خلفاء سے اپنی فرمانروائی کی تصدیق کراتے تھے۔ دہلی کے حکمران منگولوں کے حملہ وغلبہ کے تیس سال بعد تک بھی اپنے سکوں پر خلیفہ بغداد کا نام لکھتے رہے۔

(جاری ہے)

مجلّہ ترجمان الحدیث کی ترویج واشاعت کیلئے
اپنی آراء اس ای میل ایڈریس پر روانہ کریں
E.Mail: tarjuman@hotmail.com